مولانا ہاشمیؒ
بحیثیت خطیب و مبلغ

حافظ محمد سعد اللہ (نائب مدیر)

نطق و بیان یا خطابت اور گویائی کی نعمت تکوینی اعتبار سے اللہ کریم کی بہت بڑی نعمت ہے دوسرے انسان و حیوان کے درمیان عام فرق کرنے والی بھی یہی چیز ہے ۔ منطقیوں اور فلاسفہ نے انسان کی تعریف جو "حیوان ناطق" سے کی ہے وہ اسی فرق کی جانب مشیر ہے سورۃ الرحمٰن میں اللہ کریم نے جہاں جن و انس پر اپنی دنیوی و اُخروی نعمتوں کا تذکرہ اور انکی تفصیل بیان فرمائی ہے وہاں آغازِ سورت میں ہی بطور خاص ارشاد ہوتا ہے :

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (آیت : ۳ - ۴)

"اسی نے انسان کو پیدا کیا (اور) اس کو بیان (گویائی) کی تعلیم دی "

زبان کی اہمیت اور عظمت پر تمام عقلاء کا اتفاق ہے مشہور شاعر زہیر کے درج ذیل شعر سے اندازہ لگائیے کہ انسانی جسم میں زبان کا کیا مرتبہ و مقام ہے ۔ کہتا ہے :

لِسَانُ الفتی نصفٌ ونصفٌ فؤادُہٗ
فلم یبقَ الا صورۃُ اللحمِ والدمِ

یعنی ایک جوان یا آدمی کی زبان آدھے انسان کا درجہ رکھتی ہے اور دوسرا آدھا حصہ اس کا دل ہے ۔ دل و زبان کو چھوڑ کر باقی سارا جسم محض گوشت اور خون کا مجموعہ ہے یہی زبان ہے جس کے ذریعے ایک آدمی کے اندر اور باطن کا پتہ چلتا ہے ۔ امام رازی نے افصح العرب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں آپ نے فرمایا :

المرءُ مخبوءٌ تحت لسانه [1]

(آدمی اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے)

اس حدیث نبوی کے مفہوم کو دانائے شیراز شیخ سعدیؒ نے یوں بیان کیا ہے ؎

تا مرد سخن نگفتہ باشد

عیب و ہنرش نہفتہ باشد

امام رازی نے انسانی اعضاء میں زبان کی شرافت اور عظمت کو ایک اور اعتبار سے بھی ثابت کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ زبان علم و معرفت قلبی واردات، ذہنی افکار و نظریات اور خیالات کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے اور بے علم اور کم علم انسانوں کو علم جیسی عظیم نعمت سے بہرہ ور کرنے اور دینے کا ذریعہ ہے۔ علم کے مقابلے میں مال و دولت اور روپیہ پیسہ بھی بلاشبہ اللہ کریم کی ایک نعمت ہے مگر علم وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس میں مزید اضافے اور زیادتی کے لیے اس آخر الزمان پیغمبرؐ کو بھی " رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا " کے الفاظ میں دعا سکھلائی گئی ہے جو پہلے ہی اولین اور آخرین کے علوم کا حامل ہے اور جس کے سر پہ " ومِنْ علومك علم اللوح والقلم " کا بے نظیر و بے مثال تاج ہے اور یہی علم وہ بہت بڑا انعام ہے جس کے متعلق باب العلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

رضينا بقسمة الجبار فينا

لنا علم وللجهال مال

(ہم اللہ کریم کی اس تقسیم پر صدقِ دل سے راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم جیسی نعمت عطا فرمائی اور جاہلوں کو صرف مال پر خوش رکھا)

اب انسانی اعضاء میں جو عضو مال و دولت جیسی کم درجے کی نعمت کو اس نعمت سے محروم اور ضرورت مند لوگوں تک پہنچانے اور دینے کا ذریعہ و آلہ بنتا ہے اس کے متعلق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اليد العليا خير من اليد السفلى۔

---

[1] امام فخر الدین رازیؒ، تفسیر کبیر، ج ۲۲ ص ۴۶۔ طبع مصر

(اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے کہیں بہتر ہے)
تو انسانی اعضاء میں جو عضو لوگوں کو علم و معرفت جیسی عظیم نعمت دینے کا ذریعہ اور واسطہ بنتا ہے اس کا اشرف الاعضاء ہونا محتاج دلیل نہیں [۱]

اللہ کریم کے فرستادہ اور منتخب بندوں انبیاء کرام علیہم السلام کا فرض منصبی چونکہ علوم الہیہ اور من جانب اللہ وحی شدہ احکام ہدایات اور تعلیمات کا ابلاغ ہوتا ہے اور یہ ابلاغ و تبلیغ احکام کما حقہ اس وقت تک ممکن نہیں ہوتا جب تک کہ مبلّغ کو زبان و بیان پر پوری قدرت حاصل نہ ہو اس لیے جملہ انبیاء علیہم السلام کو قوت گویائی، زور بیان اور جوہر خطابت کا وافر حصّہ عطا فرمایا گیا۔ کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے جب حکم دیا کہ وہ سرکش فرعون کے پاس تشریف لے جائیں اور اسے راہِ ہدایت دکھائیں تو چونکہ ان کی زبان میں تھوڑی سی لکنت تھی اس لیے فرعون کے دربار میں جانے سے پہلے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝ (سورۃ طٰہٰ: آیت: ۲۵ تا ۲۸)

(اے میرے پروردگار! میرے لیے میرے سینے کو کھول دے اور میرے لیے میرا کام آسان فرما دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں)

اسی ابلاغ اور تبلیغ احکام الٰہی کے لیے خاتم النبیین اور آخر الزمان پیغمبر صلعم کو اللہ کریم نے جوامع الکلم عطا فرمائے۔ آپ کو افصح العرب بنایا اور زبان میں ایسی زبردست تاثیر اور طاقت عنایت فرمائی کہ جو آدمی ایک مرتبہ آپ کا کلام خطبہ یا تقریر سن لیتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ آنجناب صلعم کی اسی سحر بیانی اور معجز کلامی سے ڈرتے ہوئے مشرکین مکہ لوگوں کو آپ کے نزدیک نہ آنے دیتے اور آپ کی مجالس میں شور و غل مچاتے۔ مگر کفار کی ان گھٹیا حرکتوں سے چراغ مصطفوی کو نہ بجھنا تھا اور نہ بجھا وہ تو ازل سے آیا ہی روشن ہونے کے

---

[۱] حوالہ مذکور ص ۴۷ (بتغییر)

لیے تھا۔ آپؐ نے اپنے پُرسوز پُرگداز پُر درد کلمات و خطابات اور کمال اسوۂ حسنہ اور نمونۂ اخلاق سے بہت جلد عرب کی کایا پلٹ دی۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی

حضور اکرمؐ کے وصال کے بعد تبلیغ دین کا فریضہ آپؐ کی امت کے علماء دین کے سپرد ہوا۔ اللہ نے جن علماء حق اور اہل اللہ سے تبلیغ، دین اشاعت دین اور فروغ اسلام کا کام لینا تھا اللہ نے انہیں زبان و بیان کی صلاحیتیں بھی عطا فرمائیں۔ اور انہوں نے تنگی ترشی میں سرد گرم حالات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہمیشہ اپنی ان خدا داد صلاحیتوں کو مثبت انداز میں کام میں لاکر دین کی شمع کو فروزاں رکھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اب تک کے لاتعداد مبلغین داعیان حق اور اسلام و دین کے خادموں کی فہرست میں بفضلہ تعالیٰ ہمارے ممدوح برصغیر پاک و ہند کے معروف عالم دین مولانا سید محمد متین ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی شامل ہے۔ اللہ نے آپ کو ان صفات و ضروریات کا خاطر خواہ حصّہ عطا فرمایا تھا جو ایک دین کے مبلغ خطیب اور داعی حق میں ہونا چاہئیں زبان و کلام پہ قدرت، دل سوزی، پُرجوش انداز بیان زور دار لب و لہجہ، سامعین کی مزاج شناسی، زبان کی شیرینی، خود اعتمادی، قوت استدلال جیسی خصوصیات کے علاوہ اللہ نے چونکہ عمل کی بھی توفیق عطا فرما رکھی تھی اس لیے آپ کی زبان، بیان وعظ تقریر اور خطبہ میں اللہ نے بڑی تاثیر رکھی تھی۔ راقم الحروف کو بہت سے خطبوں درسوں بیانوں اور تقریروں میں جناب ہاشمیؒ صاحب کے ساتھ جانے اور سننے کا اتفاق ہوا۔ کسی خطیب کی خطابت، سحر بیانی، شیریں بیانی، شعلہ بیانی، فصاحت و بلاغت اور فہم و فراست کا اصل اندازہ تو اس کی تقریر لب و لہجہ، اتار چڑھاؤ، الفاظ کا زیر و بم خود کانوں سے سُن کر اور اس کی شخصیت اور اس کے چہرے پر نمودار ہونے والے دل کے جذبات و کیفیات کو براہِ راست دیکھ کر ہی لگایا جا سکتا ہے کیونکہ کیفیات و حالات کو لفظوں میں ڈھالنا ممکن نہیں ہوتا تاہم اس تحریر کے ذریعے اصل حقیقت کو میں فہم کے قریب لانے کی کوشش کروں گا۔ موصوف کی ریڈیائی تقریروں کا ایک مجموعہ

"روشنی" کے نام سے دو حصّوں میں چھپ چکا ہے۔ علاوہ ازیں کچھ لوگوں کے پاس ان کی تقاریر کی ویڈیو اور آڈیو کیسٹیں بھی موجود ہیں۔ موصوف چونکہ ایک درویش منش عالم اور خطیب تھے نام و نمود اور ریاکاری سے مقدور بھر محترز رہتے تھے اس لیے اپنی تقریروں اور خطبات کی ریکارڈنگ اور انہیں محفوظ کرنے کا خود سے کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے۔ آج کل بعض باوسائل خطیب اپنی ہر تقریر اور بیان کو ریکارڈ کرنے کا پورا پورا اہتمام کرتے ہیں۔ انہی تقریروں کو بعد میں کتابی شکل دے دی جاتی ہے اور اس طرح آئے دن ان کی تالیفات و تصانیف میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ عام آدمی چونکہ تقریر اور تالیف کے فرق کو سمجھتا نہیں اس لیے اکثر لوگ ان کی اتنی تالیفات کو دیکھ کر مرعوب ہو جاتے ہیں۔ مولانا سیّد محمد متین ہاشمی مرحوم بھی اگر ایسا کرتے تو آج ہزاروں نہیں تو سینکڑوں کتابوں کے مؤلف ضرور ہوتے۔ خیر یہ بات تو جملہ معترضہ کے طور پر آ گئی۔ اب ذیل میں مولانا مرحوم کی خطابت کی چند خصوصیات اور آپ کی تبلیغی مساعی کے متعلق چند باتیں پیشِ خدمت ہیں۔

عام فہم اور سلیس انداز

مولانا سیّد محمد متین ہاشمیؒ جدید و قدیم علوم کے حسین امتزاج کے ساتھ فقہی مزاج رکھتے تھے۔ فاضلِ دارالعلوم دیوبند ہونے کے ساتھ ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے اردو بھی کیا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ مولانا عبیداللہ سندھی سے براہِ راست پڑھا تھا۔ اچھے خاصے ادیب اور صحافی تھے متعدد جرائد و رسائل میں بطور ایڈیٹر کام کر چکے تھے۔ اردو ادب کا ذوق انہیں ورثے میں ملا تھا مگر ان تمام خصوصیات اور خوبیوں کے باوجود تقریر میں آپ کا مقصود ہمیشہ ابلاغ عام ہوتا تھا۔ بات کو سمجھانا مطلوب ہوتا نہ کہ فلسفہ و منطق جھاڑ کر اور بھاری بھر کم الفاظ و جملے بول کر اپنی علمیت کی دھاک بٹھانا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی تقریر کو ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بلکہ ان پڑھ آدمی بھی سمجھ سکتا تھا۔ آپ ثقیل الفاظ، مشکل تراکیب اور فنی اصطلاحوں سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ ریلوے کے مزدوروں محنت کشوں، مصری شاہ کے کباڑیوں۔ محمدی شریف (جھنگ) کے دیہاتیوں اور عام درجے

کی تعلیم رکھنے والے لوگوں میں انہوں نے متعدد بار سیرت، محفل میلاد اور دیگر دینی مجالس میں تقریریں کیں۔ بالکل سیدھی سادھی اور عام فہم شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہوتا ہوگا جسے بات سمجھ میں نہ آتی ہو۔ زورِ خطابت کے بل بوتے پر اپنے آپ کو بڑا علامہ فہامہ ثابت کرنے کی کبھی کوشش نہ کی ہمیشہ موقع محل اور سامعین کے مزاج اور دلچسپی کے مطابق آسان الفاظ میں تقریر فرماتے۔

مشکل اور پیچیدہ مسئلہ کو عام مشاہدہ کی مثالوں سے اس طرح آسان اور واضح کر دیتے کہ اندھا آدمی بھی سمجھ جاتا۔ مثلاً سورۃ البقرہ کی ابتدا میں قرآن مجید کا ایک وصف هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (تقویٰ شعاروں کے لیے ہدایت) بیان ہوا ہے جبکہ دوسری جگہ قرآن مجید کو "هُدًى لِّلنَّاسِ" (ساری انسانیت کے لیے ہدایت) قرار دیا گیا ہے تو ان میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے۔ مولانا سید محمد متین مرحوم نے ایک مرتبہ (۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۲ء) دیال سنگھ لائبریری میں سورۃ بقرہ کی مذکورہ آیت کا درس دیتے ہوئے کہا:

"وحی الٰہی (قرآن مجید) بارش کی مانند ہے۔ وحی بھی آسمان سے نازل ہوتی ہے اور بارش بھی۔ جس طرح بارش تمام زمین پر پڑتی ہے اسی طرح وحی بھی تمام لوگوں کے لیے نازل ہوتی ہے مگر اس سے مستفید ہر آدمی اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق ہوتا ہے جیسا کہ زمین کے مختلف ٹکڑے اپنی اپنی استعداد کے مطابق نباتات اگاتے ہیں بارش تو ہر جگہ ایک ہی ہے اور ایک جیسی ہے مگر کہیں پھول اور گلاب و چنبیلی اگ آتے ہیں اور کہیں کانٹے دار جھاڑیاں۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شور بوم خس

بعینہٖ یہی مثال قرآن مجید کی ہے قرآن ابوبکر کے سامنے بھی پڑھا گیا اور ابوجہل و ابولہب کے سامنے بھی۔ مگر اسی قرآن کی بدولت ابوبکر "افضل الخلق بعد الانبیاء" اور "صدیق" ٹھہرے اور ابوجہل و ابولہب مردود بارگاہِ الٰہی۔

یہ ہے اپنی اپنی قسمت یہ نصیب اپنا اپنا
کوئی پھول چن کے لایا کوئی خار گلستاں سے

اس چیز کی مزید وضاحت یوں فرمائی کہ اگر پانی کا طشت سورج کے سامنے رکھ دو

تو اس میں سورج کا عکس نظر آجائے گا مگر سورج کے سامنے ایک " توا " رکھ دو تو قطعاً عکس نظر نہیں آئے گا۔"

تکلم علیٰ قدر عقول الناس

علم بلاغت کا عام اصول ہے: کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ" (لوگوں کی عقل و فہم کے مطابق ان سے بات کرو) ۔ ہاشمی صاحب مرحوم خطابت، تبلیغ اور تعلیم کے اس اہم اور بنیادی اصول پر سختی سے کاربند تھے۔ ہاشمی صاحب کئی سال تک مصری شاہ میں اپنے ایک مہربان میاں عبدالوحید صاحب کی طرف سے مہیا کئے گئے ایک مختصر سے مکان میں رہے۔ وہاں مولانا احمد علی لاہوریؒ کی مسجد (نزد چوک مصری شاہ) میں ہفتہ وار ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب درس قرآن دینا شروع کیا۔ اس درس قرآن کا سلسلہ مصری شاہ سے سنت نگر منتقل ہونے کے بعد بھی اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ ڈاکٹر نے زیادہ تقریریں نہ کرنے کی ہدایت نہ کر دی۔ اسی درس کے حوالے سے ایک دن بات ہوئی تو فرمانے لگے:

"مصری شاہ میں عام طور پہ حاضرین کاروباری اور مزدور قسم کے لوگ ہوتے ہیں اس لیے ان کے معیار اور " کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ" کے مطابق درس دیتا ہوں اگر علماء کا مجمع ہو تو درس کا دوسرا انداز ہوتا ہے مثلاً کل جو سورۃ القدر کا درس ہوا اگر علماء کا مجمع ہوتا تو وہاں بتایا جاتا کہ قرآن مجید میں بعض مقامات پہ اللہ تعالیٰ اِنِّیْ کے لفظ کے ساتھ کسی کام کا ذکر فرماتے ہیں اور بعض مقامات پہ اِنَّا (جمع کے صیغہ) سے تو اس میں کیا فرق ہے؟ حضرت شاہ ولی اللہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اِنِّیْ کا لفظ وہاں لایا جاتا ہے جہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کوئی فعل منسوب ہو مثلاً اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" اور اِنَّا کا لفظ عام طور پہ وہاں آتا ہے جہاں اللہ کریم کی ذات عالی کے ساتھ حظیرۃ القدس ملائکہ مقربین اور تجلی اعظم کی بھی شرکت ہو۔ گویا وہ اللہ کی اسمبلی کا پاس شدہ فیصلہ ہے۔"

اثر انگیزی

یہ ایک اصولی اور عام مشاہدے کی بات ہے کہ جو بات دوسرے کی خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ دلسوزی سے کہی جائے وہ ضرور اپنا اثر دکھاتی اور کانوں کے رستے دل میں اتر جاتی ہے:

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

ہاشمی صاحب مرحوم نے تقریر و خطابت میں کبھی تصنع اور خواہ مخواہ کے تکلف سے کام نہیں لیا تھا ہمیشہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تقریر فرماتے تھے دوسرا سامعین یا منتظمین جلسہ پر عوضانے یا نذرانے کا کوئی مالی بوجھ بھی نہیں ہوتا تھا اس لیے بات میں قدرتی اور فطری طور پر مزید وزن اور اثر پیدا ہو جاتا تھا۔ راقم الحروف کو چونکہ بہت سے پروگراموں میں موصوف کے ساتھ جانے کی سعادت ملتی تھی اس لیے میں نے بارہا دیکھا کہ موصوف کی مؤثر اور دلنشین تقریر سے سامعین متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ الوجہ رسول القلب (انسان کا چہرہ اس کی دلی کیفیت کا پیامبر ہوتا ہے) کے مطابق سامعین کا چہرہ جسم پر لرزہ، اور ان کی پرنم آنکھیں بتاتی تھیں کہ بات واقعی دل میں بیٹھ رہی ہے اور ذہن اس کو قبول کر رہا ہے۔ اس کی زندہ مثالیں آج بھی موجود ہیں۔ بہت سے ایسے جوان و پیر مرد و خواتین دکاندار کاروباری اور ملازم پیشہ لوگ ہیں جو ہاشمی صاحب کی مجلس وعظ یا درس قرآن، یا سیرت و میلاد کی کسی محفل میں آنے سے قبل نماز روزہ کاروباری دیانت و امانت ذکر تسبیح، سنت اور دیگر اعمال صالحہ کے چنداں پابند نہ تھے مگر ہاشمی صاحب مرحوم کے مخلصانہ وعظوں، دردبھری تقریروں اور محبّت بھرے بیانوں کی بدولت ان کے دل و دماغ فکر و نظر، سوچ اور خیالات میں ایسی مثبت تبدیلی آئی کہ آج بفضلہ تعالیٰ پانچ وقت کے پکے نمازی اور وظائف، ذکر و اذکار کے خوگر، متواضع ہمدرد و بہی خواہ اور دیگر دنیوی و کاروباری معاملات میں اس گئے گزرے اور دنیا پرست معاشرے میں بھی کافی حد تک اسلام اور سیرت نبوی پر عمل کرنے والے ہیں کئی ایک کے تو چہروں پر بھی خوشنما تبدیلی آگئی ہے اور وہ کلین شیو

ہونے کے بجائے اب متشرع نظر آتے ہیں ۔ میں سمجھتا ہوں یہ ہاشمی صاحب کے انسانیت کی خیر خواہی کے جذبہ سے معمور خطبات کا نتیجہ ہے ورنہ اکثر جلسوں اور دینی محافل میں عموماً یہی ہوتا ہے کہ سامعین جو کچھ سنتے ہیں وہیں جلسہ گاہ میں جھاڑ کر آتے ہیں ۔ مرحوم جگر نے ٹھیک کہا تھا ؎

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچ آتے ہیں اے واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

ایمان کو جلاء دینا

ہاشمی صاحب مرحوم کی تقریر سننے کے بعد ہمیشہ اللہ کریم پر ایمان اللہ پر توکل رحمتِ ایزدی کی امید اور بخشش و مغفرت کے یقین میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوا کرتا تھا ۔ مرحوم بعض خشک قسم اور روکھے واعظین کی طرح اللہ کی رحمت سے مایوس کرنے والی تقریر عام طور پر نہیں فرماتے تھے ۔ قہرِ الٰہی ، گرفتِ الٰہی اور عذابِ الٰہی کی آیات احادیث اور واقعات سنانے کے بجائے زیادہ تر اللہ کریم کے بے پایاں فضل و کرم ، بے حد و انتہا رحمت انتہائی مہربانی و شفقت اس کی کرم نوازیوں اور بندہ پروری پر مشتمل آیات کریمہ احادیث نبوی اور بزرگانِ دین کے واقعات ایسے درد انگیز لہجے اور گلوگیر آواز میں سناتے کہ سامع اپنے کردہ گناہوں پر اندر ہی اندر شرمسار ہونے لگ جاتا اور اس میں آئندہ کے لیے معاصی اللہ کریم سے دوری اور لاتعلقی کی زندگی چھوڑ کر اللہ کا قرب حاصل کرنے اور اس مالک کریم کے ساتھ قوی رشتہ جوڑنے کا داعیہ پیدا ہو جاتا ۔ ریڈیائی تقریروں کا مجموعہ "روشنی" اس قسم کے دل دوز واقعات سے بھرا ہوا ہے ۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مجوسی مہمان کو کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھنے پر جب گھر سے نکال دیا اور ادھر رب کی طرف سے تنبیہ ہوئی تو اس واقعے کو خوبصورت اور پتھر سے پتھر دل کو موم کرنیوالے الفاظ میں یوں جامہ پہنایا :

" مجوسی کی آنکھیں بہنے لگیں ندامت سے سر جھکا دیا ۔ کہا اللہ کے نبی !

میں خدا کا باغی ہیں آگ کا پجاری ہیں اس کے در کو چھوڑ کر در بدر کی ٹھوکریں کھانے والا میں رسم و رواج کا اسیر میں جھوٹے توہمات کا قیدی حقیقی مالک کو ستر برس سے بھلا کر بھٹک رہا ہوں میں نے اسے کبھی یاد نہیں کیا مگر میرا مالک مجھ سے غافل نہیں رہا اس نے مجھے میری نافرمانیوں کے باعث کبھی بھی اپنے خوانِ نعمت سے نہیں اٹھایا میری پرورش کی مجھے سہارا دیا حتیٰ کہ آپ کو تنبیہ کی۔ ہاتھ بڑھائیے مجھے قبول کر لیجیے اس ستر برس کے گنہگار بھگوڑے کو اس کے مالک کے آستانے پر حاضر کیجیے جلدی کیجیے مجھے اسلام کا کلمہ پڑھایئے میرا مالک غفور رحیم ہے وہ مجھے ضرور قبول کرے گا[۱]

اسی طرح معروف صوفی حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی شراب و مستی سے توبہ کا نقشہ ایمان افروز اور محبت آمیز کلمات میں یوں کھینچا ہے:

"ایسا لگا جیسے کہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کسی گہرے خواب سے چونک اٹھے ہوں۔ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ بانسری اور ستار وہیں چھوڑا اور باغ سے نکل کھڑے ہوئے۔ شب کا مسافر آخری منزلیں طے کر رہا تھا کہ مالک بن دینار نے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے دروازے پر دستک دی حضرت حسن بصریؒ تہجد میں مصروف تھے اٹھ کر دروازہ کھولا مالک کو دیکھا آغوشِ محبت وا کر دی مالک آ جا کہ میں عرصے سے تیرا انتظار کر رہا تھا لگ جا میرے سینے سے۔ مالک خواجہ حسن بصریؒ کے سینے سے لگ گئے۔ دونوں طرف آنکھیں بہنے لگیں سیلابِ اشک نامۂ اعمال کی سیاہی کو دھو رہا تھا۔ عالم بالا سے توبہ کی قبولیت کا مژدہ جانفزا آیا اور کچھ ہی دنوں بعد حسن بصریؒ کے فیضِ صحبت سے دینار نامی غلام کا بیٹا اولیاء اللہ کی صف اول میں نظر آنے لگا"[۲]

---

[۱] روشنی حصہ اول ص ۱۷ طبع مکتبہ خلیل اردو بازار لاہور

[۲] ایضاً ص ۲۲۸

محبت کے جذبات گرما کر عمل کا داعیہ پیدا کرنا

نبی پاک صاحب لولاک علیہ التحیہ والثناء کی ذات گرامی صحابہ و اہل بیت نبوی اور بزرگانِ دین کے ساتھ عقیدت و محبت اور والہانہ وارفتگی مسلمانوں کا بہت بڑا سرمایہ اور بڑی طاقت ہے۔ یہی وہ واحد سرمایہ ہے جس کے بل بوتے پر اتنے انقلابات آنے کے باوجود امت مسلمہ آج تک زندہ ہے۔ ایک مرتبہ مرحوم ہاشمی صاحب نے فرمایا تھا:

موجودہ دور میں خصوصاً برصغیر کے اندر جذبہ عشق نبوی ہی ہے جو ہمیں قائم رکھے ہوئے ہے اور یہ جذبہ صرف مولوی لوگوں میں نہیں بلکہ عوام بھی اسی جذبے سے سرشار ہیں ورنہ ہمارے اعمال اس قسم کے ہیں کہ بندر خنزیر بنا دیے جائیں۔ پھر فرمانے لگے کہ برصغیر میں عشق نبوی کے زیادہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے یہ علاقہ تشبیہی مذاہب کا صدیوں سے قائل رہا ہے کوئی قدرتی بت وغیرہ سامنے نہ ہو تو اس کے جذبات میں ہیجان پیدا نہیں ہوتا۔ برخلاف حجاز و عراق اور مڈل ایسٹ کے کہ وہ تنزیہی مذاہب کے علاقے ہیں حنیفیت کا وہاں صدیوں دور دورہ رہا۔ چنانچہ وہاں صرف توحید کی بات کریں تو وہ قابلِ قبول ہے برخلاف برصغیر کے۔ یہاں کا مزاج کچھ اور ہے۔ اب مورتیوں اور بتوں کو تو پوجا نہیں جا سکتا لہٰذا توحید تک پہنچنے کے لیے صوفیا نے "تصور شیخ" اور "تصور رسول" کا نظریہ دیا۔ جب رسول تک رسائی ہو گئی تو توحید بس ایک قدم ہے۔ اس طریقہ سے جذبات کو گرمائیے اور جو چاہیے ان لوگوں سے کرا لیجئے۔ پھر فرمانے لگے کہ غیر مقلدین کا مسلک جو زیادہ تر کامیاب نہیں ہے اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ وہ صرف توحید توحید کی رٹ لگاتے ہیں اور رسالت کا نام تک نہیں لیتے۔ یہ طریق کار اہل حجاز کے لیے تو موزوں ہے مگر یہاں کے لوگوں کے لیے نہیں!"

جناب ہاشمی صاحب مرحوم چونکہ لوگوں کی اس نفسیات کو اچھی طرح سمجھتے تھے اس لیے اپنے خطبات، سیرت و میلاد کے جلسوں اور دوسرے دینی پروگراموں میں سامعین کے نبی پاک اور سلفِ صالحین کے ساتھ محبت کے جذبے کو خوب گرماتے تھے۔ اور اس جذبہ کو گرما کر ان میں سیرت طیبہ، اسوۂ نبی اور بزرگانِ دین کے نقش قدم پر چلنے کی دلی تڑپ

پیدا فرما دیتے تھے۔ سیرت کے جلسوں اور محافل میلاد میں یا دیگر وعظ کے پروگراموں میں معجزات اور فضائل ومناقب اور کرامات کی بجائے زیادہ تر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم، اخلاق فاضلہ، اسوۂ حسنہ عدل وانصاف، امانت، صداقت، شجاعت، حلم و بردباری، جود وکرم عفو و درگزر زہد وقناعت غریب غلاموں اور خادموں کے ساتھ حد درجہ محبت اور آپ کی اور آپ کے اہل وعیال کی انتہائی غریبانہ وزاہدانہ زندگی کے ایمان افروز واقعات دلنشین پیرائے اور محبت بھرے انداز میں اس طرح سناتے کہ سامعین کے دل میں سیرت طیبہ اپنانے کا سچا داعیہ پیدا ہوتا۔ انسانیت کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا غربا و مساکین اور اپنے نوکروں چاکروں کی انسانی عظمت کا اندازہ ہوتا۔ مساوات اور عدل و انصاف کو قائم کرنے کی فکر پیدا ہوتی۔ مثلاً سیرت[1] کی کتابوں میں ایک پگلی عورت کا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے اور آپؐ سے تنہائی میں ملنے کا مطالبہ کرنے کا واقعہ منقول ہے۔ اس موقعہ پر بعض صحابہ کرام نے اس کے پاگل ہونے کی وجہ سے آپؐ کو اس کی طرف توجہ نہ دینے کے متعلق بھی عرض کیا۔ اس مختصر سے واقعہ کو جناب ہاشمی صاحب مرحوم نے ریڈیو کی تقریر "روشنی" میں جن شاندار ایمان پرور اور روح افزا الفاظ وکلمات کا جامہ پہنایا وہ انہی کا حصہ تھا۔ میں ذیل میں اس واقعے کے آخر سے کچھ حصہ دے رہا ہوں آپ بھی پڑھیے اور ایمان تازہ کیجئے۔

"...... فرمایا: پاگل ہے تو کیا انسان نہیں؟ کیا اس کے سینے میں دل نہیں ہے؟ تم کیسی باتیں کہتے ہو دکھ کی ماری میرے پاس آئی ہے اس کی تو کوئی نہیں سنتا۔ اگر میں بھی نہ سنوں تو یہ کس کے پاس جائے گی۔ یہ ارشاد فرما کر آپ کھڑے ہو گئے بڑھیا کے قریب تشریف لے گئے۔ اے امّ فلاں! بتا تیری کیا حاجت ہے؟ بڑھیا نے کہا آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔ فرمایا اے امّ فلاں! تو جہاں مجھے لے چلے گی میں چلوں گا اور تیری جو بھی حاجت

---

[1] قاضی عیاض: الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۱: ۱۳۱ طبع مصر

ہوگی پوری کروں گا۔ آگے آگے بڑھیا تھی اور پیچھے پیچھے محبوب رب کائنات دھوپ کی تمازت لُو کی لپیٹ کوئی چیز آپ کو روک نہ سکی۔ مدینے کی گلی کے نکڑ پر جاکر رکی بڑھیا نے کہا آپ زمین پر تشریف رکھیں آپ بیٹھ گئے بڑھیا نے اپنی ضرورت بیان کی آپ نے اسے پورا کر دیا خوش ہوکر دعائیں دینے لگی نبیؐ بھی خوش خوش واپس تشریف لائے کہ دل تو کعبہ کی طرح محترم ہوتا ہے۔

عبادت نماز روزہ ہی نہیں حج زکوٰۃ ہی نہیں دکھی دلوں کو سکون پہنچانا اور بے سہارں کو سہارا دینا سب سے بڑی عبادت ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است[۱]

خاتون جنت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مختصر جہیز اور انتہائی سادگی سے رخصتی کا تذکرہ کرتے ہوئے غریب لوگوں کی ان الفاظ میں تسلی و تشفی کا سامان کیا۔

"۔۔۔ کائناتِ ارض و سما کے شفیق ترین باپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عزیز ترین بیٹی کو چادر اڑھائی سر پر ہاتھ رکھا اور سادگی کے ساتھ شہید راہ خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر رخصت کر دیا تاکہ بیٹی کی یہ رخصتی قیامت تک آنیوالی امت کے لیے اسوۂ حسنہ بن کر پیش نظر رہے کہ امت کا امیر تو اپنی بیٹی کو بیش قیمت جہیز دے کر دل ٹھنڈا کر سکتا ہے غریب باپ کم سے کم سادہ جہیز کے ساتھ بیٹی کو رخصت کرتے وقت اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ تو کہہ سکتا ہے کہ بیٹی صبر کر کہ نبی نے اپنی لخت جگر فاطمہؓ کو اسی سادگی سے رخصت کیا تھا اور سیّدۃ فاطمۃ الزہراؓ کے نمونہ عمل سے بڑھ کر کوئی نمونہ نہیں ہے"[۲]

یہ اقتباس "مشتے از خروارے" کے طور پر ہیں ورنہ آپ کی ہر تقریر اور ہر بیان

---

[۱] روشنی حصّہ اول ص ۳۸

[۲] ایضاً ص ۳۷

خطاب اس قسم کے اخلاقی انسانی ہمدردی اور عام خیر خواہی کے سچے واقعات سے لبریز اور مزین ہوتا جس سے گناہگار سے گناہگار آدمی کے اندر فطری نیکی کی صلاحیت کو مہمیز اور جلا ملتی توبہ و استغفار اور رجوع الی اللہ کا سچا جذبہ اس کے دل کے اندر انگڑائیاں لیتا اور اس طرح ایک بھولا اور بھٹکا ہوا راہی اپنے اصل رستہ صراط مستقیم پر آجاتا۔ مجھے افسوس ہے آج ہاشمی صاحب مرحوم کے مختلف مقامات اور مختلف موضوعات پر خطبات کا ریکارڈ موجود نہیں ورنہ خطبات کی متعدد ضخیم جلدیں تیار ہو جاتیں۔ آپ کی ریڈیائی تقریروں کا "روشنی" کے نام سے دو حصّوں پر مشتمل ایک مجموعہ چھپ چکا ہے۔ اس میں جابجا دیکھا جا سکتا ہے کہ موصوف نے کس کمال سے نبی اکرمؐ۔ صحابہ کرام، ائمہ اہل بیت، تابعین محدثین شہداء کرام، خلفاء اسلام، قضاۃِ اسلام، صوفیاء عظام اور بزرگان دین کے حسن اخلاق کے واقعات خوبصورت دلنشین، درد بھرے محبت آمیز اور مؤثر انداز میں بیان کیے ہیں۔ بعض مقامات پر اتنا زوردار پیرایۂ بیان ہے کہ بے ساختہ قاری پر رقت طاری ہو جاتی ہے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کی آنکھوں سے محبت یا گناہوں پر ندامت و شرمساری کے آنسوں رواں ہو جاتے ہیں جو اس کے گناہوں سے میلے کچیلے دل کو دھوتے چلے جاتے ہیں اور پھر وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگ جاتا ہے۔ واقعی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے:

وان من البیان سحرًا۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۲۳ طبع کراچی)
(بے شک بعض بیانوں میں جادو کی سی تاثیر ہوتی ہے)

آخرت کی فکر پیدا کرنا

ہاشمی صاحب مرحوم کی خطابت کا ایک وصف یہ بھی تھا کہ وہ سامعین کے ذہنوں میں دنیا کی ناپائیداری، اللہ کے نزدیک دنیا کی بے قدری و بے وقعتی اور آخرت کی قدر ایک مرتبہ ضرور پیدا کر دیتے تھے۔ اس دنیا طلبی زرپرستی اور آخرت سے بے فکر و مدہوش زمانے میں جبکہ اکثر لوگ (الا ماشاء اللہ) "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ

کی تصویر بنے ہوئے ہیں اور ہر آدمی کے ذہن پر "هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ" کا جنون سوار ہے۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ انسان کو جاہ و مال طلبی میں حد درجہ انہماک اور غلو سے نکال کر راہِ اعتدال پر لایا جائے اور اس کے دل میں اللہ و رسول کی محبت اور آخرت کی فکر پیدا کی جائے۔ ہمارے ممدوح جناب ہاشمی صاحب مرحوم میں یہ فکر پیدا کرنے کا وصف بھی بدرجہ کمال موجود تھا۔ مذکورہ تقریروں کے مجموعے "روشنی" میں عباسی خلیفہ ہارون رشید کے بسترِ مرگ پر آخری الفاظ اور وصیت کو بیان کرتے ہوئے کس فکر انگیز انداز میں انسان کی آنکھوں پر بندھی ہوئی غفلت کی پٹی کو اتارا ہے۔ پڑھیے اور اندازہ لگائیے۔

"...... لوگو! دعا کرو خدا مجھے معاف فرمائے۔ اب میری کشتیٔ حیات غرقاب ہونے والی ہے عنقریب موت مجھے تم سے جدا کر دے گی اور یہ قبر جو اس وقت منہ کھولے میرے سامنے ہے۔ میرے جسم کو نگل لے گی رشتے ٹوٹ جائیں گے، خویش و اقربا سب جدا ہو جائیں گے میں ہوں گا اور قبر کی اتھاہ تاریکی۔ یہی ہر انسان کا انجام ہے لیکن انسان اپنے انجام سے میری طرح غافل رہتا ہے میں جو کروڑوں اور اربوں کا مالک تھا دیکھ لو خالی ہاتھ دنیا سے جا رہا ہوں۔ میں کہ میرے نام کا طوطی بولتا تھا شرق و غرب میں میری عظمت کا ڈنکا بجتا تھا آج دوسروں کے لیے سامانِ عبرت ہوں۔ مجھے دیکھو اور دنیا اور دولت دنیا کی حقیقت پہچاننے کی کوشش کرو اس گفتگو کے بعد ہارون رشید نے آخری ہچکی لی اور اس سفر پر روانہ ہو گیا جس پر جانے والا کوئی مسافر کبھی واپس نہیں آیا کرتا ہے"[1]

انسانی دل و دماغ پر غفلت اور بے فکری کے پڑے ہوئے پردے کو ہٹانے کے لیے بعض اوقات یہ چھوٹا سا مگر بڑا اثر انداز شعر بھی پڑھا کرتے :

تربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
شمعیں بھی جلاؤ تو اجالا نہیں ہوتا

---

[1] روشنی حصہ اول ص ۳۱۴

زر و مال کی کثرت، روپے پیسے کی فراوانی اور دنیا کا اقتدار و حکومت بھی بسا اوقات انسان کو اپنی "اوقات" بھلا دیتا ہے اور وہ دنیا پر اس قدر ریجھ جاتا ہے اور اتنے لمبے چوڑے منصوبے بناتا ہے کہ گویا اس نے مرنا ہی نہیں۔ بابر بعیش کوش کے مصداق زندگی بھر تعیشات فضول بے مقصد اور بے کار کاموں میں مصروف رہتا ہے حتیٰ کہ موت کا پیغام اسے آن پہنچتا ہے۔ ہاشمی صاحب مرحوم انسان کے اس بھول پن کو عموماً یوں دور فرمایا کرتے کہ

"بڑے بڑے بادشاہ، فاتح اور صاحبِ جاہ و جلال حکمران اس دنیا میں آئے اور چند دنوں تک اپنی عظمت و برتری کا سکہ بٹھا کر دنیا سے چلے گئے لیکن آج ان کا حال یہ ہے کہ

غرور تھا نمود تھا ہٹو بچو کی تھی صدا
آج تم سے کیا کہوں لحد کا بھی پتہ نہیں"

فرقہ وارانہ تقریر سے گریز

فرقہ وارانہ جذبات اور تعصب و تصلب کو ابھار کر امت واحدہ کی جمعیت میں تفرقہ اور گروہ بندی پیدا کرنا شریعت میں سخت ناپسندیدہ چیز ہے۔ قرآن و حدیث میں تفرقہ اور افتراق و انتشار پھیلانے پر بڑی وعیدیں وارد ہوئی ہے۔ اتحاد و اتفاق میں ہی امتِ مسلمہ کی طاقت کا راز پنہاں ہے۔ بفحوائے حدیث جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے علاوہ ازیں اتحاد میں اللہ کریم نے بڑی حسی و معنوی برکتیں رکھی ہیں۔

زاتفاقِ مگس شہد می شود پیدا
خدا چہ لذتِ شیریں در اتفاق نہاد

اس کے برعکس جب کسی قوم میں اتحاد اخوت اور بھائی چارے کی جگہ انتشار عداوت لڑائی جھگڑا اور خواہ مخواہ کا دنگا فساد لے لے تو اس قوم سے اللہ کا ہاتھ اور غائبانہ نصرت اٹھالی جاتی ہے۔ باہمی تنازع سے اس قوم کی ساکھ اور دوسری اقوام پر اس کا رعب داب ختم ہو جاتا ہے۔ امتِ مسلمہ کو جب بھی سیاسی سماجی معاشی تمدنی عمرانی اور مذہبی اعتبار سے نقصان پہنچا ہے اسی فرقہ واریت اور تفرقہ بازی سے پہنچا ہے۔ آج بھی امتِ مسلمہ ہر قسم کے مالی و افرادی ذرائع و وسائل وافر مقدار میں رکھنے کے باوجود دنیا میں جو عزت غلبہ اور

اقتدار سے محروم ہے تو وہ اسی ہر جگہ ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانے کی وجہ سے ہے۔

من از بیگانگاں ہر گز نہ نالم
کہ با من آنچہ کرد آشنا کرد

جناب ہاشمی صاحب مرحوم اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے تھے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا امت پہلے ہی کئی گروہوں کے اندر بٹی ہوئی ہے۔ معمولی فروعی اختلافات کی وجہ سے مختلف اسلامی گروہوں میں بڑے فاصلے بڑھ گئے ہیں ہاشمی صاحب نے ہمیشہ ان فاصلوں کو پاٹنے اور دوریوں کو دور کی کوشش کی۔ اللہ نے جو طاقتِ لسانی اور قوت گویائی عنایت فرمائی تھی اسے ہمیشہ مثبت انداز میں استعمال کر کے بکھرے ہوئے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور جوڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ تقریر میں اختلافی بات ہی نہیں کرتے تھے۔ بے شمار متفق علیہ مسائل ہیں جن پر بحث یا تقریر کی جا سکتی ہے۔ ہاشمی صاحب ہمیشہ متفق علیہ مسائل ہی چھیڑتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر انہیں اپنے جلسوں اور پروگراموں میں دعوت دیتے تھے اور ہر مکتب فکر ان کی اعتدال پسندانہ روش اور اختلاف گریز طبیعت کی وجہ سے حد درجہ ان کا احترام کرتا تھا۔ عوام بھی اسی وجہ سے محبت رکھتے اور انتہائی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

تبلیغی خدمات

انبیاء کا وارث[1] ہونے کے ناطے سے دین کی تبلیغ فروغ اور اشاعت میں حتی المقدور کوشش کرنا ایک عالم دین کا فرض بنتا ہے۔ علماء حق نے ہمیشہ اپنے اس فرض کو بطریق احسن نبھایا ہے۔ انہی علماء ابانبیین کی دین کے معاملے میں مخلصانہ کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ دشمنان اسلام کے دین کو مٹانے کے لیے چودہ صدیوں سے ہر ممکن حربے کو استعمال کرنے کے باوجود دین اسلام آج بھی زندہ ہے اور کروڑوں لوگ دین کے شیدائی اور دین مصطفوی کے نام پر مر مٹنے والے ہیں۔ اور انشاء اللہ قیامت تک دشمنان کے پھونکوں سے یہ چراغ نہیں بجھے گا۔

---

[1] ان العلماء ہم ورثۃ الانبیاء (بخاری شریف ج ا ص ۱۶ طبع کرزن پریس دہلی)

ہمارے ممدوح جناب ہاشمی صاحب مرحوم جہاں بھی رہئے اپنے اس فرض منصبی سے کبھی غافل نہ رہے۔ اپنی ہمت اور طاقت سے بڑھ کر اس فریضہ کو پورا کیا اور ہمیشہ بے لوث تبلیغی خدمات سرانجام دیں۔ مرحوم کی ایک ٹانگ کی ہڈی میں مشرقی پاکستان کے اندر ہی ایک حادثے میں چوٹ آگئی تھی جس کی وجہ سے لڑکھڑا کر اور لاٹھی کے سہارے سے چلتے تھے۔ اب ویسے بھی بڑھاپا اور کمزوری آگئی تھی مگر بایں ہمہ ان کی تبلیغی سرگرمیوں میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ وفات (۱۰ جنوری ۱۹۹۲ء) سے کچھ عرصہ قبل تک شادمان جی۔ او۔ آر تھری کی مسجد میں ہفتہ وار خطبہ جمع کے علاوہ تین جگہوں پر باقاعدگی سے للہ فی اللہ درس دیتے رہے۔ یہ مستقل درس ان تقریروں اور وعظوں کے علاوہ تھے جو وقتاً فوقتاً مختلف مذہبی تہواروں کے موقعہ پر مختلف مقامات پر کئے جاتے تھے۔ مستقل درسوں میں ایک سلسلہ لائبریری (دیال سنگھ لائبریری لاہور) کے اندر تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد سٹاف اور ریڈرز میں سے مختصر سے نمازیوں کو اپنے مخصوص انداز میں درس قرآن دیتے تھے۔ یہ سلسلہ پہلے پارے سے شروع کیا تھا مگر افسوس پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ اور نہ ہی باقاعدہ ان کا کوئی ریکارڈ رکھا جاسکا۔ البتہ کچھ درس ہم نے اپنے طور پر نوٹ کر لیے تھے۔ بعد میں مختلف عوارض نے مرحوم کو گھیر لیا اور سیڑھیوں پر چڑھ کر نماز کے کمرے تک جانا مشکل ہو گیا اس وجہ سے یہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔

درس کا دوسرا مستقل سلسلہ یحیٰ گیٹ کے باہر ایک چھوٹی سی مسجد کے اندر تھا یہ درس شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی معروف کتاب حجۃ اللہ البالغہ سے ہر اتوار کو بعد نماز مغرب ہوتا تھا۔ درس کا تیسرا ہفتہ وار سلسلہ مصری شاہ میں مولانا احمد علی لاہوری کی مسجد میں جاری رہا۔ یہ درس ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب قرآن مجید کی آخری سورتوں کی تفسیر و تشریح پر مبنی ہوتا تھا۔ ان پر دو جگہوں پر سامعین عموماً زیادہ نہیں ہوا کرتے تھے تاہم ہاشمی صاحب کی صحت پر سامعین اور حاضرین کی قلت اور کثرت کا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا سامعین سے داد لینا تو مقصود ہی نہیں تھا۔ جس ذات اقدس کی رضا اور خوشنودی کے لیے ضعف اور پیری کے باوجود یہ تھوڑی بہت کوشش کرتے تھے وہ ذات گرامی اچھی طرح جانتی تھی۔ اس لیے ہمیشہ پوری تیاری کے ساتھ بھرپور اور زوردار انداز میں درس دیتے تھے۔ یہ تبلیغی خدمات لاہور کے اندر سرانجام دیتے

تھے۔ قبل ازیں جب مشرقی پاکستان (جواب ہماری ہی کوتاہیوں کی وجہ سے بنگلہ دیش کی صورت اختیار کرچکا ہے) میں تھے تو وہاں بھی تبلیغ دین کے لیے ہمیشہ درس سلسلہ جاری رکھا۔ ایک مرتبہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۸۲ء کو یہاں دفتر میں بیٹھے ہوئے اسی درس کی بات ہونے لگی تو فرمانے لگے:

میں مشرقی پاکستان میں کئی سال تک درس دیتا رہا ہوں۔ پورے قرآن مجید کے درس کے بعد صحیح بخاری شریف کا درس چلتا رہا۔ اس سے قبل مشکوٰۃ شریف کا بھی پورا درس دیا پھر یہ پروگرام بنا کہ ایسی کتاب کا درس شروع کیا جائے جو جلدی ختم نہ ہو چنانچہ پہلے مستدرک حاکم اور اس کے بعد السنن الکبریٰ للبیہقی کا درس دینے کا فیصلہ ہوا۔ مستدرک حاکم تیسری جلد تک پہنچ گئی تھی اس کے بعد مشرقی پاکستان میں فسادات شروع ہوگئے اور ہم لوگ ادھر مغربی پاکستان کی طرف چلے آئے وہ مستدرک حاکم شاید آج بھی وہاں مسجد میں پڑی ہو"

مرحوم و مغفور جناب ہاشمی کے اس بیان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کس قدر تبلیغی و دینی مساعی کیں۔ پورے قرآن مجید، مکمل بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف اور مستدرک حاکم کی تین جلدوں کے درس میں کتنا وقت اور کتنی محنت صرف ہوئی ہوگی۔ ان زبانی ــــ اور درس و خطابت کی شکل میں تبلیغی مساعی کے علاوہ تحریری شکل میں بھی بہت سی دینی و تبلیغی خدمات سرانجام دیں مستقل کتب اور مختلف عنوانات پر رسائل کے علاوہ متعدد ماہناموں اور پرچوں میں مضامین لکھتے رہے۔ ان کی تالیف کی فہرست انشاء اللہ سوانح کے مضمون میں آجائے گی میری معلومات اور ذاتی مشاہدے کے مطابق مولانا سید محمد متین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی اس شعر کا عین مصداق تھی کہ:

مری زندگی کا مقصد ترے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

اللہ کریم مرحوم کی ان تبلیغی مساعی کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامینؐ۔

ع — این دعا از من و جملہ جہاں آمین باد